تدوینِ فقہ

(۹)

حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات
جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

شاطبی کہنا یہ چاہتے ہیں کہ کسی انفرادی یا اجتماعی زندگی کے متعلق یہ طے کرتے ہوئے کہ
یعت اور اس کے قوانین پر وہ کس حد تک منطبق ہے، ہمیں اسلام کے شرعی قوانین کی اس خصوصیت
صہ کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے کہ وہ قوانین کا کوئی ایسا مجموعہ نہیں ہے جسے ایک بارگی ماننے والوں پر
ذکر دیا گیا ہو، بلکہ سب جانتے ہیں کہ تقریباً بیس سال کی طویل مدت میں بتدریج اس کی تکمیل ہوئی
ے تکمیل کی اسی تدریجی رفتار کو پیش نظر رکھتے ہوئے انھوں نے شرعی قوانین کے اس ذخیرہ کو
حصوں پر تقسیم کرکے ایک کا "المشروعات المکیہ" اور دوسرے کا "المشروعات المدنیہ" نام رکھا ہے
ں کے بعد انھوں نے ادھر توجہ دلائی ہے کہ تتبع و تلاش استقراء و جستجو سے اگر کام لیا جائے تو مشروعات
ان دونوں حصوں میں ایک خاص امتیاز نظر آئے گا، اسی امتیاز کو بتاتے ہوئے زیادہ تر قرآنی احکام
پیش نظر رکھ کر وہ لکھتے ہیں۔

ان المشروعات المکیتہ وھی	مکی قوانین جو ظاہر ہیں کہ نزولاً مقدم ہیں۔ عام
الاولیۃ کانت فی غالب الاحوال	حالات میں وہ بجائے مقید ہونے کے زیادہ تر
مطلقۃ غیر مقیدۃ۔	اطلاقی رنگ رکھتے ہیں۔

پھر "زکوۃ" کے قانون کو مثال کے طور پر پیش کرتے ہوئے انھوں نے دعوی کیا ہے کہ ابتدا
ں عام طور پر خیر و خیرات، صدقات و مبرات، پر زور دیا جاتا تھا، لیکن یہ کہ صدقہ کن پر واجب ہے

کتنا واجب ہے، اس صدقہ کے کون کون لوگ مستحق ہیں "مکی مشروعات" میں ان امور کی تفصیل نہ
کی گئی ہے بلکہ ان کے الفاظ میں۔

کان اکثر ذلک موکولا الی انظار المکلفین	یہ بات ان لوگوں کی نظر و فکر کے سپرد تھی جن پر قانون
فی تلک العادات ومصروفا الی اجتہادہم	زکوۃ عائد کیا گیا تھا، اور ان کے اجتہاد کے ساتھ
لیاخذ کل ما لائق بہ وقدر علیہ من	بات وابستہ تھی یعنی ان کی نیکیوں اور اخلاقی
تلک المحاسن الکلیات ما استطاع	خوبیوں میں سے جس حد تک جو جہاں تک تعمیل
من تلک المکارم۔ (ج ۲ ص ۸۱۱)	کر سکتا ہے تعمیل کرے مطالبہ کی شکل اسوقت یہی تھی

وہ کہتے ہیں کہ صحابہ میں جن بزرگوں کو سابقین اولین ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ چونکہ قرآن
ان اطلاقی مطالبات سے ان ہی کو سابقہ پڑا، اس لئے

فکان المسلمون فی تلک الاحیان	اسی لئے مسلمان اس زمانہ میں کوشش کی انتہائی
اخذین باقصی مجہودہم وعاملین	شکل کو اختیار کرتے تھے اور جو کچھ بھی ان کے پاس تھا
علی مقتضاہا بغایۃ موجودہم۔	اس کو ادا کرکے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔

اور یہ ہے ان کے نزدیک وہ خصوصی امتیاز جو عموماً "مشروعاتِ مکیہ" میں نمایاں ہے
اس کے مقابلہ میں "مشروعات مدنیہ" کا حال ان سے مختلف ہے، مطلب یہ ہے کہ یوں تو اجمال
اطلاق کا رنگ قرآن کے ہر مطالبہ پر غالب ہے خواہ مکہ میں اس کا نزول ہوا ہو، یا مدینہ میں، لیکن
اسی کے ساتھ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ "مدنی مشروعات" میں باوجود کلیاتی شکل رکھنے کے اطلاق
کی وہ کیفیت باقی نہیں رہی ہے جو مکی مشروعات کی خصوصیت ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ مدینہ میں
قرآن کا جو حصہ نازل ہوا، اس میں بھی اور "السنۃ" کے ذریعہ سے پیغمبر نے قرآنی مطالبات کی جو تشریح
وتشکیل کی دونوں میں بقول ان کے۔

فتفصلت تلک المجملات المکیہ	مکی مشروعات کے اجمال کی تفصیل کی گئی اور جن امور کا مطالبہ
وقیدت تلک المطلقات	مکہ میں اطلاقی رنگ میں کیا گیا تھا، ان میں قیود کا اضافہ ہوا۔

خیر یہاں تک تو ایک ایسی بات ہے، جس میں ظاہر ہے، چنداں کوئی ندرت نہیں، عموماً
ص تھوڑا بہت بھی اسلامی علوم سے لگاؤ ہے وہ ان سے ناواقف نہیں ہیں، پیش کرنے کی جو
ت ہے وہ اس کے بعد کا وہ نتیجہ ہے جس سے میرے خیال میں ایک بڑے اختلافی مغالطہ کا جیسا کہ
ں نے عرض کیا ازالہ ہوتا ہے۔

الشاطبی نے اس کے بعد اس پر تنبیہ کی ہے کہ "مدنی مشروعات" میں قیود کے جو اضافے
ئے اور "مکی مشروعات" کے اطلاق کی جو حد بندیاں مدنی مشروعات میں کی گئیں، خواہ تقیید و
دید کا یہ کام قرآن ہی کے ذریعہ انجام دیا گیا ہو یا "سنت" کی راہ سے یہ بات زیر عمل آئی ہو، کچھ
ی ہوا ہو، لیکن کسی حال میں اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ "مدنی مشروعات" کے بعد ان پر بالکلیہ
نسخ پھیر دیا گیا، دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ ان کو غیر قانونی قرار دے کر شریعتِ اسلامی
ے حدود ہی سے انھیں کلیۃً خارج کر دیا گیا۔

علامہ شاطبیؒ نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ خیال قطعاً غلط اور خلافِ واقعہ ہے، بلکہ ان کے
دیک گو "مدنی مشروعات" میں "مکی مشروعات" کے کلیات کی تحدید و تقیید ضرور کی گئی، مگر

مع بقاء الکلیات	بایں طور کہ مکی مشروعات کے کلیات کو بھی اپنے
علی حالها۔	حال پر باقی رکھا گیا۔

اب اسی نتیجہ سے وہ اس پر تنبیہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں جس طبقہ کو "الصوفیہ" کے نام سے
وسوم کیا جاتا ہے، ان کی دینی زندگی بعض لوگوں کو عام مسلمانوں کی دینی زندگی سے کچھ الگ الگ
ی جو نظر آتی ہے اور یہی امتیاز ان بزرگوں کے لئے بعض حلقوں میں ناانصافیوں کی وجہ بنا ہوا ہے
اطبی کہتے ہیں کہ ان کی یہ ناانصافیاں درحقیقت ناانصافیاں ہی ہیں، شریعت کے ایک خاص نقطۂ نظر
ے غفلت کا نتیجہ ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ صوفیہ کی شرعی زندگی کو "مدنی مشروعات" کے روشنی میں نہیں
کہ دیکھنا چاہتے ہو تو "مکی مشروعات" کو سامنے رکھکر ان کو دیکھو، اسی مقصد کی طرف اشارہ کرتے
ئے وہ لکھتے ہیں۔

وعلی الاول جری الصوفیہ وعلی الثانی جری من عداھم ممن لم یلتزم ما التزموہ

پہلے طریقہ کار یعنی کی مشروعات کے مقتضی پر تو صوفیہ کا عمل درآمد رہا اور دوسرے (یعنی مدنی مشروعات) کو ان لوگوں نے اختیار کیا جنھوں نے اپنے لئے ان امور کی پابندی ضروری نہیں ٹھہرائی جن کے صوفیہ پابند ہیں۔

اسی دعوی کو اور واضح کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں

ومن ھھنا یفھم شان المنقطعین الی اللہ فیما امتازوا بہ من نحلتھم المعروفہ فان الذی یظھر بادی الرای منھم انھم التزموا امورا لا توجد عند العامہ ولا ھی مما یلزمھم شرعا فیظن الظان انھم شددوا علی انفسھم و تکلفوا ما لم یکلفوا ودخلوا علی غیر مدخل اھل الشریعۃ

اور اسی سے ان لوگوں کا حال سمجھا جا سکتا ہے جو ہر چیز سے منقطع ہو کر حق تعالی کے ساتھ مشغول ہیں۔ یعنی اپنے خاص مشہور مسلک کی بنیاد پر ان کو جو (عام مسلمانوں کے درمیان) امتیاز حاصل ہے، بظاہر یہ خیال گزرتا ہے کہ ان بزرگوں نے ایسی باتوں کا اپنے آپ کو پابند بنا لیا ہے جو عام مسلمانوں میں نہیں پائی جاتیں اور نہ شریعت نے مسلمانوں پر ان کو واجب کیا ہے اس حال کو دیکھ کر گمان کرنے والوں کو گمان ہوتا ہے کہ ان بزرگوں نے اپنے ساتھ تشدد سے کام لیا ہے اور ایسے امور کے خواہ مخواہ پابند بن گئے ہیں جن کی پابندی کا ان سے شرعاً مطالبہ نہیں کیا گیا ہے اسی وجہ سے سمجھا جاتا ہے کہ ارباب شریعت کی جو راہ ہے اس راہ پر وہ نہیں ہیں۔

پھر اسی بدگمانی کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

حاش للہ ما کانوا لیفعلوا ذلک وقد بنوا نحلتھم علی اتباع السنۃ وھم باتفاق اھل السنۃ صفوۃ

خدا کی پناہ، وہ ہرگز ایسے نہیں ہیں جو ایسی باتوں کا ارتکاب کریں۔ انھوں نے اپنے مسلک کی بنیاد سنت کی پیروی پر رکھی ہے ان کا شمار خدا کی چیدہ و برگزیدہ مخلوق

الله من الخليفة (ج ۲ ص ۳۹۹) میں ہے اسی پر اہل سنت کا اتفاق ہے۔

اور اپنا آخری فیصلہ ان الفاظ میں درج کرتے ہیں۔

ولكن اذا فهمت حال المسلمين في التكليف اول الاسلام ونصوص التنزيل المكي الذي لم ينسخ وتنزل اعمالهم عليه بين لك ان تلك الطرق مسلك هولاء وباتباعها عنوا على وجه لا يضاد المدني المفسر۔

مگر تم جب آغازِ اسلام کے اس زمانہ پر غور کروگے جو اسلامی قوانین کے عائد کرنے میں مسلمانوں کے ساتھ اختیار کیا گیا تھا اور مکی تنزیل کے ان نصوص و تصریحات کو سوچوگے جو منسوخ نہیں ہوئے ہیں اور ان بزرگوں کے اعمال کو ان ہی نصوص پر پیش کرکے جانچوگے تو تم پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ درحقیقت ان حضرات کا مسلک وہی "مکی تنزیل" والے نصوص کے مطابق ہے اور ان نصوص کی پابندی ان بزرگوں نے اس طور پر کی ہے جو مدنیہ کے مفصل مشروعات کی مخالف نہیں ہے۔

پھر ان لوگوں کے مسلک کو ایک مثال سے سمجھاتے ہیں یعنی ان کی زندگی جو دراصل مکی مشروعات کی ایک تعمیلی شکل ہے "مدنی مشروعات" سے کیوں متصادم نہیں ہوتی اسی کو وہ اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

اذا سمعت مثلا ان بعضهم سئل عما يجب من الزكوٰة في مائتي درهم فقال اما على مذهبنا فالكل لله واما على مذهبكم فخمسة دراهم وما اشبه ذلك علمت ان هذا يستمد مما تقدم فان التنزيل المكي امر فيه بمطلق انفاق

تم مثلاً جب سنتے ہو کہ ان بزرگوں میں بعضوں سے پوچھا گیا کہ دو سو درم پر کتنی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو جواب میں انھوں نے فرمایا ہمارے مسلک کے رو سے پوچھتے ہو تو سب کچھ اللہ کی راہ میں خیرات کر دینا چاہیے باقی تمہارے مسلک پر دو سو درم میں پانچ درم زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے، یہ اور اسی قسم کے مسائل پر جب غور کروگے تو معلوم ہوگا کہ اس میں اسی بات سے فائدہ اٹھایا گیا ہے جو گزر چکی یعنی مکی آیتوں میں تو مطلق مال کے

المال فی طاعة الله ولم يبين الواجب من غيره بل وكل الى اجتهاد المنفق ۔

خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن کتنا دینا واجب ہے اس کو نہیں بیان کیا گیا بلکہ خرچ کرنے والے کے اجتہاد کے سپرد اس بات کا فیصلہ کیا گیا ہے ۔

پھر اسی کی کچھ اور تشریح کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

ومثله لا يقال فی ملتزمه انه خارج عن الطريقة ولا متكلف فی التعبد ۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کی بات (یعنی سب کچھ اللہ کے لئے قرا دینا) جو اس کا پابند ہو اس کے متعلق یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ وہ اسلام کے طریقہ سے باہر ہو گیا یا دینداری میں اس نے حد سے تجاوز کیا ہے ۔

بہر حال ان کے نزدیک صوفیا کا طرزِ عمل اور طریقِ زندگی عام مسلمانوں کی دینی زندگی سے اگر کچھ مختلف ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کی زندگی شریعت سے بھی مختلف ہے بلکہ انھوں نے لکھا ہے اور سچ لکھا ہے ۔

لما كان هذا الميدان لا يسرح فيه كل الناس قيد التنزيل المدنی حين فرضت الزكوة فصارت هی الواجبة انحتاما مقدرة لا يتعدی الی مادونها وبقی ما سواها علی حكم الخيرة فاتسع علی المكلف مجال الابقاء جوازا والانفاق ندبا فمن مقل ومن مكثر والجميع محمودون لانهم لا يتعدون حدود الله (ص ۲۲)

یہ میدان (یعنی اطلاقی رنگ کے مطالبات کی پوری تکمیل) ایسا نہ تھا جس میں ہر شخص چر سکتا تھا اس لئے مدنی آیتوں میں مفروضہ زکوۃ کو مقید کر کے بیان کر دیا گیا اور اسی کو قطعی شکل میں مسلمانوں پر واجب کر دیا گیا اس طور پر کہ اس سے کم کی گنجائش نہیں (لیکن زیادہ) سو اپنے اپنے اختیار کے حوالہ رہا پس عمل کرنے والوں کے لئے جواز کا میدان اب بھی کھلا رہا، پھر ان میں کچھ ایسے ہیں جنھوں نے کمی کی راہ اختیار کی اور کچھ ایسے ہیں جنھوں نے زیادتی کی راہ اختیار کی، اور سب کے سب قابلِ تعریف مستحق مدح وستائش ہیں کیونکہ اللہ کے مقررہ حدود کا کوئی متجاوز نہیں ہے ۔

بحث کو ختم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وھکذا یجب ان ینظر فی کل	یوں ہی تمام "مکی مطالبات" کو سوچنا چاہیے تاکہ جو واقعہ
خصلۃ من الخصال المکیۃ	ہے وہ لوگوں کو معلوم ہو جائے یعنی وہی بات
حتی یعلم ان الامر کما ذکر	جس کا ذکر کیا گیا۔

لیکن افسوس ہے کہ یہی "نظر" ہے جس سے بعض محروم ہوئے اور اسلام کے اس طبقہ پر کی زبانیں کھلیں، جنھوں نے رخصتوں کو چھوڑ کر عزیمت پر اور ادنیٰ پر کفایت نہ کر کے اعلیٰ درجہ ل کیا اور سچ پوچھو تو انھوں نے اپنی راہ وہ بنائی تھی جس پر صحابہ کے سابقین اولین چلے تھے، بلکہ بی کی اس تنبیہ پر لوگ غور کرتے تو شاید ان پر بھی وہی بات کھلتی، جو خدا نے اپنے اس بندے پر لی وہ لکھتے ہیں۔

اذا نظرت الی اوصاف رسول اللہ	اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر تم غور
صلی اللہ علیہ وسلم وافعالہ تبین	کرتے اور آپ کے اعمال و افعال کو سوچتے تو مسلمانوں
لک الفرق ما بین القسمین و	کے دونوں گروہ یعنی عوام اور صوفیا میں جو فرق ہے
یون بین المنزلتین (ص ۲۳۸)	وہ تم پر ظاہر ہو جاتا، اور دونوں میں جو فرق ہے وہ کھل جاتا۔

شبہ نہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں جس قسم کی زندگی گذاری، جس مکان میں اسوتی سانس پوری کی، جو کچھ کھاتے تھے، جو کچھ پیتے تھے، ان کے نمونوں کو مسلمانوں کے بقہ میں اگر تلاش کیا جا سکتا ہے تو شائد صوفیا ہی کے اس گروہ میں وہ مل سکتا ہے، جنھیں نہ جانے ں نے محض ان کے فقر و فاقہ، صبر و شکر، قناعت و توکل کی زندگی کو دیکھکر ان کو محلِ اعتراض ، مگر کچھ بھی ہو مسلمانوں کے فہم عمومی کو اس باب میں بحمد اللہ کبھی مغالطہ نہیں لگا۔ اور جیسا کہ ں نے لکھا ہے۔

وبھذا عول من شھر من اھل	صوفیا میں جن بزرگوں نے شہرت حاصل کی ان کو جو
التصوف وبذلک سادوا من	سیادت اور امتیاز ان لوگوں کے مقابلہ میں حاصل ہے

لم یبلغ مبالغهم فی الاتصاف	جوان کے درجے تک نہیں پہنچے ہیں اسکی وجہ یہی بات ہے کہ
باوصاف الرسول واصحابہ۔	رسول اللہؐ اور آپ کے اصحاب کے اوصاف سے یہ حضرات متصف تھے

بہرحال واقعہ یہی ہے کہ "مدنی شروعات" میں قیود و حدود کا اضافہ کرکے شرعی مطالبا
کے اطلاق کو کم کرکے عام مسلمانوں کے لئے بہت کچھ آسانیاں پیدا کردی گئی تھیں لیکن اس کے
تو نہ تھے کہ "مکی مشروعات" منسوخ ہوکر اسلامی قانون کے حدود سے باہر ہوگئے تھے، ہوسکتا ہے
بعضوں نے اس پر نسخ کے لفظ کا اطلاق کیا ہو، اور قدما میں اس لفظ کے بولنے کا ایک عام رو
تھا، حتیٰ کہ اسی رواج کی بنیاد پر بعضوں نے تو ناسخ و منسوخ آیتوں کی جو فہرست بنائی شاید یہ مبالغہ
کہ قرآن کے نصف حصہ کو انھوں نے منسوخ ٹھہرادیا۔

لیکن متقدمین جس معنی میں اس لفظ کو استعمال کرتے تھے اس میں اور نسخ کی اصطلاح
متاخرین جو کچھ مراد لیتے ہیں، دونوں میں فرق عظیم تھا۔ اب تو کسی حکم کے منسوخ ہونے کا یہ مطلب لیا جا
کہ وہ شرعی قانون ہی باقی نہ رہا۔ حالانکہ متقدمین کی مراد اس سے جو کچھ ہوتی تھی، حافظ ابن قیم اس
متعلق لکھتے ہیں۔

رفع دلالۃ العام والمطلق	کسی عام یا مطلق، اور ظاہر لفظ کی دلالت واثر کو کسی
والظاهر وغیرہ اما	خصوصیت کے اضافہ سے، یا قید کے بڑھانے سے یا
بتخصیص او تقئید او حمل	کو قید پر محمول کرنے سے یا اس کی تفسیر و تبین سے جو
مطلق علی مقید وتفسیرہ	اٹھا دیا جاتا تھا اس پر بھی نسخ کے لفظ کا اطلاق ہوتا تھا
وتبئیہ حتی انهم یسمون	حتی کہ (اگلوں) میں تو لوگ استثنا اور شروط اور صفت
الاستثناء والشروط والصفة	کے اضافہ کو بھی نسخ ہی کہدیتے تھے کیونکہ ظاہر کلام
نسخا لتضمن ذلک رفع دلالۃ	جس بات پر دلالت کرتا تھا وہ بات اس اضافہ کے
الظاهر وبیان المراد۔ [1]	بعد باقی نہیں رہتی تھی۔

[1] اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۲۔

خیال تو کیجئے کہ نسخ کے اس قدیم معنی اور جدید اصطلاح میں کوئی نسبت بھی ہے؟ پس، "مکی مشروعات" کی طرف نسخ کے لفظ کا انتساب اگر کسی نے کبھی کیا ہو تو ظاہر ہے کہ اس سے اشارہ اسی معنی کی طرف ہو سکتا ہے جو پہلوں کی اصطلاح تھی، ورنہ نسخ کا مطلب جو کچھ اب سمجھا جاتا ہے کم از کم قرآنی آیات کی حد تک مشکل ہی سے کسی آیت کو اس بنیاد پر منسوخ قرار دیا جا سکتا ہے، خیر یہ ایک الگ بحث ہے[1]۔ لیکن اس اصطلاحی مغالطہ کے ازالہ سے اسلام کے ایک بڑے "مذہبی اختلاف" کے چہرے سے چونکہ غبار صاف ہوتا تھا، اس لئے ضمناً اس کا بھی تذکرہ کر دیا گیا۔

"البینات" کے سوا شریعت کے غیر بیناتی اجزار کے اختلاف کے متعلق بزرگوں کے جس نقطۂ نظر کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا، یعنی تقریباً سب ہی حق و صواب ہے، ان مختلف پہلوؤں میں سے جسے جس پر عمل کی توفیق میسر آجائے وہی اس کے لئے کافی ہے دوسروں کو نہ اس پر اعتراض کرنے کا حق ہے اور نہ غلط ٹھہرانے کا، یہی صحابہ کا طرز عمل تھا کہ ان مسائل میں باوجود اختلاف رکھنے کے آج تک کسی سے یہ مروی نہیں ہے کہ انھوں نے کسی دوسرے صحابی کے پیچھے نماز پڑھنے سے مثلاً اس لئے انکار کیا ہو کہ فلاں مسئلہ میں وہ ان سے مختلف خیال اور عمل رکھتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کے عہد کے جس واقعہ کا ذکر کر چکا ہوں وہی اس کے ثبوت کے لئے کافی ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاوی میں ایک موقعہ پر لکھا ہے اور صحیح لکھا ہے۔

قد کانت الصحابۃ والتابعۃ	صحابہ و تابعین اور جو لوگ ان کے بعد تھے
ومن بعدھم منھم من یقرء	ان میں کچھ حضرات بسم اللہ زور سے پڑھتے اور
البسملۃ ومنھم من لا یقرء	بعض نہیں پڑھتے۔
وکان منھم من یقنت فی الفجر	بعض لوگ فجر میں قنوت پڑھتے تھے اور بعض
منھم من لا یقنت ومنھم من یتوضاء	نہ پڑھتے تھے بعض لوگ پچھنا لگانے کے بعد وضو
بالحجامۃ والرعاف والقیٔ ومنھم	کرتے یا نکسیر پھوٹنے قے ہونے سے بھی وضو کرتے

[1] اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے مناسب ہوگا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی کتاب فوز الکبیر فی اصول التفسیر کا مطالعہ کیا جائے۔

من لا یتوضاء من ذلک منھم من	اور بعض نہیں کرتے بعض عضو مستور کے چھونے سے
یتوضاء من مس الذکر ومس النساء	وضو کرتے بعض نہ کرتے یا عورت کو نفسانی میلان
بالشھوۃ منھم من لا یتوضاء	سے چھونے سے وضو کرتے بعض نہ کرتے اسی طرح
بالقھقھۃ فی الصلاۃ ومنھم من لا	نماز میں قہقہہ کے ساتھ ہنسنے کی وجہ سے وضو
یتوضاء من ذلک مع ھذا فکان	کرتے بعض نہ کرتے مگر باوجود ان تمام باتوں کے
بعضھم یصلی خلف بعض [1]	بعض بعض کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔

بلکہ شیخ الاسلام نے اسی موقعہ پر اس کی بھی تصریح کی ہے۔

کان ابو حنیفۃ واصحابہ والشافعی	ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب، امام شافعیؒ وغیرہم
وغیرھم یصلون خلف ائمۃ المدینۃ	حضرات مدینہ کے مالکی اماموں کے پیچھے نمازیں
من المالکیۃ وان لا یقرون البسملۃ	پڑھا کرتے تھے حالانکہ مالکی نہ آہستہ سے بسم اللہ
لا سرا ولا جھرا۔ [2]	پڑھتے تھے نہ زور سے۔

آخر میں لکھتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اجماعی مسئلہ ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں۔

مازال المسلمون علی عھد النبی صلی اللہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے اور آپ کے
علیہ وسلم وعھد خلفائہ یصلی	خلفاء کے زمانے سے مسلمانوں کا ہمیشہ سے یہی عمل
بعضھم خلف بعض۔	درآمد رہا ہے یعنی بعض بعض کے پیچھے نماز پڑھتے رہے

چند سطر پہلے اپنی خاص زبان میں انھوں نے یہ بھی لکھا ہے۔

من انکر ذلک فھو مبتدع۔	جو اس کا انکار کرتا ہے وہ بدعتی اور گمراہ ہے۔

لیکن اس کا کیا یہ مطلب ہے کہ ہر مسلمان ان مسائل کے متعلق جو چاہے کرے اور جس وقت اس کے جی میں جس طریقۂ عمل کے اختیار کرنے کو جی چاہے اس پر عمل پیرا ہو، جس کا مآل شاید یہی ہو سکتا ہے کہ ایک ایک مسجد میں بیسیوں طرح کی نماز پڑھنے والے، وضو کرنے والے پیدا ہو جائیں اور

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۳۸۱ ۔ [2] ،،

یک نماز وضو کے مسائل کیا اس سلسلہ میں انسانی زندگی کا کونسا شعبہ ہے جس میں کچھ نہ کچھ اختلاف نہیں پایا جاتا۔ پھر مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کیا ہوگی، ایسے غیر متناسب متخالف عناصر کا مجموعہ ہوگی، جن میں کوئی ربط کوئی انضباط نہیں اور اجتماعی کیا انفرادی زندگی میں جب یہ شکل پیدا ہو کہ ایک شخص آج کچھ کر رہا ہے۔ کل کچھ آج کچھ بول رہا ہے، کل کچھ سنا رہا ہے، اور یہ سارے حرکات ین کے تحت انجام دے رہا ہو، خود ہی سوچنا چاہئے کہ ایسی صورت میں دین میں اور بچوں کے یلوں میں کیا فرق رہے گا۔ شاطبی نے لکھا ہے اور بالکل صحیح لکھا ہے، اس طرز عمل پر جو خرابیاں رتب ہوں گی ان میں ایک یہ بھی ہے۔

کالاستہانۃ بالدین اذ	دین کی یہ بات اہانت وتحقیر بن جائیگی کیونکہ اگر یہ صورت
یصیر بھذا الاعتبار سیالا	حال ہوگی تو دین ایک ایسی سیال بہتی چیز قرار پا جائیگی
لاینضبط ؎	جس کا کوئی ٹھور ٹھکانہ نہیں ہے۔

اگر اسلام کے پیش نظر یہی بے ضابطگیاں تھیں تو پھر نمازوں میں، روزوں میں، حج میں، بلکہ اگر کیا جائے تو اپنے ہر ہر شعبہ ہر ہر شاخ میں اس کو نظم وضبط وحدت ویکسانیت پیدا کرنے کی کیا ورت تھی، لوگ سوچتے نہیں ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث یعنی صفوف کو درست نے کا حکم دیتے ہوئے جو آپ فرمایا کرتے تھے۔

استووا ولا تختلفوا فتختلف	برابر برابر کھڑے ہو جاؤ (اختلاف نہ کرو یعنی آگے پیچھے
قلوبکم ؎	نہ ہو جاؤ) ورنہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے۔

اگر صرف اسی پر غور کر لیتے تو دلوں میں جو شبہ ہوا ہے اس کا خود بخود ازالہ ہو جاتا۔ ظاہر ہے وں کا برابر رکھنا نماز کا کوئی ایسا جز تو نہیں ہے جس کے بغیر نماز باطل یا فاسد ہو جاتی ہو، لیکن رت نے فرمایا کہ صفوں کے ظاہری اختلاف کا اثر تمہارے باطن پر پڑے گا، کیوں پڑے گا؟ ہے کہ اس کا بالخاصیت بھی یہ اثر ہو جس پر نبوت کی نظر پہنچی ہو، لیکن اسی کے ساتھ اتنی بات تو

ہم ص ۱۴۷۔ ؎ مسلم ابوداؤد وغیرہ۔

شاید یوں بھی سمجھی جا سکتی ہے کہ ظاہر کی یکسانیت کا اثر باطن پر اس لئے بھی پڑتا ہے کہ آدمی جب دوسرے کو بھی اسی کام میں پاتا ہے جس میں وہ خود مشغول ہے تو نفسیاتی طور پر دونوں کے قلوب بھی باہم یگانگت محسوس کرتے ہیں اور جب ظاہر کے اتحاد کا اثر باطن کے اتحاد پر نفسیاتی طور پر پڑتا ہے تو اختلاف کا اثر بھی اسی قانون کا پابند کیوں نہ ہوگا، صفوف کی ظاہری ناہمواری کو مٹانے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا اصرار تھا۔ اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ آپ نمازیوں کے مونڈھوں کو جا کر چھوتے اور جو باہر نکلا نظر آتا اسے برابر کرنے کا حکم دیتے صحابہ کا بیان ہے

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمسح مناکبنا فی الصلوۃ — نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مونڈھوں کو چھوتے (یعنی برابر ہے یا نہیں اس کا پتہ چلاتے)

اور اسی کے بعد آپ استووا (برابر ہو جاؤ) کا حکم دیتے۔ اور جب ایک معمولی صفوں کے اختلاف سے پیغمبر کو نظر آیا کہ دلوں میں اختلاف پڑ جائے گا، پھر خود ہی غور کرنا چاہئے کہ بلا وجہ اگر مسلمان مذہبی زندگی کے عام شعبوں میں گوناگونی پیدا کریں گے۔ تو اس کا اثر ان کے نفسیات پر کیا پڑے گا خصوصاً عوام کا جو حال اس باب میں ہوتا ہے اس کے دور رس نتائج کا تو اس وقت صحیح اندازہ بھی مشکل ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ سب کا حق پر ہونا، یہی اس بات کو شرعاً و عقلاً و مصلحۃً ضروری بنا دیتا ہے کہ بلا وجہ ایک امام کو چھوڑ کر دوسرے کی پیروی نہ کی جائے۔ آخر سب کے صواب و حق پر ہونے کا نتیجہ یہی تو ہو سکتا ہے کہ یہ بھی جائز وہ بھی جائز، پھر دو جائزوں میں سے ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو جو آپ اختیار کرتے ہیں تو یقیناً ایک ایسا کام آپ کر رہے ہیں جس کی ترجیح کی کوئی وجہ نہیں۔

لیکن بجائے اس کے آپ ایک ہی پہلو کو اگر اختیار کئے رہیں خصوصاً جس کے پابند اس ملک کے عام لوگ ہوں تو یہ فعل آپ کا بلا وجہ نہ ہوگا، بلکہ اس اختلاف سے مسلمانوں کے اجتماع کو آپ بچا رہے ہیں جس سے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہمارے اور آپ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوا، بلکہ تجربہ شاہد ہے کہ عوام سے اختلاف خواہ کسی معمولی ہی بات میں کیوں نہ ہو باعثِ فساد ہوا ہے

ن المسلمین جسے قرآن نے حرام کیا ہے کسی جائز فعل کے لئے اس کا ارتکاب آخر کیسے جائز
ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ طیبہ تو یہ ہے کہ جائز ہی نہیں بلکہ جائز سے بھی جو چیز اہمیت
دہ بڑھی ہوئی تھی، آپ نے اس کو اس لئے ترک فرمادیا کہ جس خطرہ کا اندیشہ اس سے تھا وہ
ہمیت رکھتا تھا، بنائے کعبہ کے متعلق آپ کا فرمانا

لولا حدثان قومك — اگر تمہاری قوم (اے عائشہ) کفر کو حال ہی میں چھوڑے نہ ہوتی تو میں

بالکفر لفعلت (صحاح) — ایسا کرتا یعنی ابراہیم علیہ السلام کی نیو پر اسے تعمیر کرا دیتا۔

افقین کے قتل کے مشورہ پر آپ کا فرمانا کہ

لا یتحدث الناس ان محمدا — لوگ اس کا چرچا نہ کرنے لگیں کہ محمد اپنے صحابیوں

یقتل اصحابہ (مسلم) — کو قتل کرتے ہیں۔

یہ کو بھی بہت سی جائز باتوں کے متعلق حکم دینا کہ عوام کے سامنے ان کا اظہار نہ کیا کرو، فرماتے کہ

اتریدون ان یکذب اللہ — کیا عوام کے سامنے ان باتوں کا ذکر کرکے چاہتے ہو کہ

ورسولہ (بخاری) — اللہ اور رسول کو جھٹلایا جائے۔

ایسی بیسیوں باتیں ہیں جن سے مصالح عامہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے شریعت کا حکم ہے کہ اگر کوئی
جائز بھی ہو تو اس کو ترک کر دیا جائے چہ جائیکہ فساد بین المسلمین جسے قرآن نے حرام کیا ہے اس کے
ب کا اندیشہ پیدا ہوتا ہو۔

شہور بات ہے بخاری وغیرہ سب کتابوں میں ہے کہ خانہ کعبہ کو جاہلیت کے زمانہ میں قریش نے حلال پیسوں کی
وجہ سے ان حدود جن پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی تھی ایک سمت حطیم کی طرف کچھ ہٹ کر
رت بنائی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد چاہتے تو ابراہیمی حدود پر پھر کعبہ کو بنوا دیتے، لیکن
صلحت کے پیش نظر کہ قریش کا اسلام ابھی نیا اسلام ہے جس حال پر کعبہ بنا ہوا تھا چھوڑ دیا گیا۔ ظاہر ہے
لام کے چار ارکان میں سے دو مستقل ارکان نماز اور حج کا براہ راست کعبہ سے تعلق ہے، لیکن باوجود اس
صلحت کی رعایت فرمائی گئی۔ ۱۲۔

آپ نے عمر بن عبد العزیزؒ امام مالکؒ وغیرہم اکابر اسلام کے ان اقوال کو تو شوق۔
کہ اختلافات کی تمام صورتوں کو وہ جائز قرار دیتے ہیں جس پر بھی کوئی عمل کر رہا ہے وہی اس کے
کافی ہے، لیکن آپ نے ان ہی بزرگوں کے اقوال کے اس حصہ پر غور نہیں کیا کہ تمام مسلمانوں کو
ہی رائے پر جمع کیوں نہیں کر دیتے جب ان سے اس کی خواہش کی گئی تو انکار کرتے ہوئے تمام
محروسہ کے ولاۃ و حکام کے نام آپ نے فرمان جاری فرمایا۔

یقضی کل قوم بما	ہر ملک والے اسی پر عمل درآمد کریں جس پر ان کے فقہاء
اجتمع علیہ فقہاءہم	نے اتفاق کیا ہو۔

اور خلیفہ عباسی کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت امام مالکؒ نے فرمایا۔

دع الناس ما اختار اھل	چھوڑ دو بجائے ہر شہر کے لوگوں کو جو کچھ انھوں نے
کل بلد منھم لانفسھم	اپنے لئے اختیار کر لیا ہے۔

خود سوچئے کہ ان اقوال کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ جس علاقہ کے
دین کے غیر بیناتی حصہ میں جس مسلک کے پابند ہیں، ان کو اسی حال پر چھوڑ دیا جائے، اور یہی
چاہتا ہوں اور میں کیا کہتا ہوں، ابتدا سے مسلمانوں کا ہر ملک میں نسلا بعد نسلٍ، طبقۃً بعد طبقۃٍ
چلا آرہا ہے کہ جس علاقہ کے مسلمان جس چیز کے پابند ہیں بس اسی کے پابند رہتے ہوئے چلے
ہیں، جیسا کہ بہ تفصیل آئندہ معلوم ہوگا کہ اسلام کے ساتھ قدرت کی یہ غیبی امداد ہوئی کہ دین
غیر بیناتی حصہ کے متعلق اگرچہ ابتدا میں بیسیوں آرا اور مسالک پیدا ہو گئے تھے، اور ہر ایک کا
کسی نہ کسی مجتہد اور امام ہی کی طرف تھا لیکن بتدریج ان کی تعداد کم ہوتے ہوئے اس نوبت
آپہنچی کہ آج مسلمانوں کی اکثریت غالبہ (یعنی اہل سنت میں) لے دے کر صرف چار مسلکوں کا
باقی رہ گیا ہے، اور ان میں بھی اگر سچ پوچھئے تو حنابلہ کی تعداد اتنی اقلیت میں ہے کہ شاید
زیادہ صحیح ہوگا کہ اب اسلامی دنیا زیادہ تر صرف حنفیہ و مالکیہ اور شافعیہ پر مشتمل ہے اور ان
عددی نسبت سے اس کا اندازہ آپ کو اس تازہ رپورٹ سے ہو سکتا ہے جسے امیر شکیب ارسلا

ب حسن المساعی کے حاشیہ پر درج کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

واتباع مذھب ابی حنیفۃ اکثر المسلمین	مسلمانوں کی اکثریت امام ابو حنیفہؒ کی پیروی
فالترک باجمعھم ومسلموا بلاد	یعنی سارے ترک اور بلقان کے مسلمان اور
البلقان ومسلموا الرسیۃ ومسلموا افغانستان	روس کے مسلمان افغانستان کے مسلمان
والھند والصین واکثر مسلمی العرب فی	ہندوستان کے چین کے عرب کے اکثر مسلمان
الشام والعراق فی الفقہ علی مذھب الحنفی	جو شام و عراق میں رہتے ہیں، فقہ میں حنفی
واکثر اھل سوریۃ والحجاز والیمن والحبشہ	مسلک رکھتے ہیں اور سوریہ (شام) حجاز یمن
وجمیع بلاد الجاروی واکثر الامۃ	حبشہ اور جاوہ کے سارے علاقے کردستان
الکردیۃ یقلدون الامام الشافعی والمغاربۃ	والے امام شافعیؒ کے مقلد ہیں اور مغرب کے
واھل غربی افریقیۃ واواسط افریقیۃ و	مسلمان اور مغربی و وسط افریقہ کے مسلمان اور
بعض اھل مصر یقلدون امام دار الہجرت	مصر میں کچھ لوگ دار الہجرت کے امام امام مالکؒ
مالک بن انس واھل نجد وبعض	کے مقلد ہیں، نجد والے اور بعض شام کے
اھل سوریۃ کاھل نابلس ودومہ	باشندے جیسے نابلس و دومہ والے امام احمد
یقلدون احمد بن حنبل (ص ۶۹)	بن حنبل کے مقلد ہیں۔

اسی کے ساتھ اگر اس پر بھی غور کیا جائے کہ عموماً مختلف فقہی مسالک رکھنے والے مسلمان
ملک میں ملے جلے نہیں پائے جاتے بلکہ بعض قدرتی اسباب و حالات ایسے پیدا ہوئے کہ عموماً جہاں
جہاں احناف ہیں وہاں موالک نہیں ہیں و بالعکس[1]، اور یہی حال دوسرے ائمہ کے متبعین و مقلدین کا
ہے، جس کی وجہ سے بحمد اللہ ان تیرہ صدیوں میں جہاں تک ممکن تھا مسلمانوں کی عملی وحدت بھی ہر ملک
میں عموماً ہمیشہ محفوظ رہی ہے، جس کا مآل یہی ہوا کہ باوجود اختلاف کے عام حالات میں ان کی دینی
وحدت کسی زمانہ میں بھی مجروح نہیں ہوئی، غیر اقوام جو ان کے ساتھ مختلف ممالک میں آباد تھے

---

[1] یعنی جہاں مالکیہ ہیں وہاں حنفیہ نہیں مثلاً مراکش والجیریا وغیرہ میں۔

ان کی نگاہوں میں کبھی اس لئے سبک نہیں ہوئے کہ کوئی مسلمان کسی طرح نماز پڑھتا ہے کوئی
گویا عبادت تک میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، دوسری قوموں کے لئے مسلمانوں کی
ہم آہنگی ہمیشہ محل حیرت واستعجاب رہی، کیونکہ ایک ملک بلکہ ایک صوبہ بلکہ شاید کسی ایک
بھی اسلام کے سوا کسی دین کے ماننے والوں میں کوئی ایسا طبقہ مشکل ہی سے پایا جاتا ہے جس
فروعی ہی نہیں بلکہ اصولی اختلافات نہ ہوں خصوصاً یہود ونصاریٰ جن کی طرف قرآنی آیات
حدیثوں میں بھی اشارے کئے گئے ہیں کہ ستر ستر بہتر بہتر فرقوں میں یہ منقسم ہیں اور بعض مذ
کے پیروؤں کا حال تو یہ ہے کہ معبود تک پر ان کا اتفاق نہیں ہے یعنی کوئی کسی دیوتا کا پجاری
اور کوئی کسی دیوی کا۔

بہرحال ہر ملک کے مسلمانوں کی یہ عملی وحدت، ایک رنگی کی نعمت بڑی نعمت تھی، اور کہ
ہوں کہ ابھی تک یہ رنگ زیادہ خراب نہیں ہوا ہے، لیکن جولا پروائیاں چند سطحی تاثرات کے زیر ا
اس کے متعلق برتی جا رہی ہیں، کون جانتا ہے کہ ان کے نتائج آگے کیا ہوں گے۔ امام الس
امام اوزاعیؒ سے منقول ہے۔

من اخذ بنوادر العلماء	علما کے نادر اور شاذ اقوال کو جو اختیار کرتا ہے وہ
فقد خرج من الاسلام	گویا (اسلام) سے خارج ہو گیا۔

میں تو اس کا یہی مطلب سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کی جماعت سے ایسا آدمی نکل جاتا
اور اپنی جماعت سے نکلنے کے بعد اگر اپنے دین سے بھی نکل جائے تو کیا تعجب ہے، ان لوگوں کے
جو اسی قسم کی انوکھی نادر و شاذ باتوں کو تلاش کر کر کے احیار سنت وغیرہ ناموں سے مسلمان
میں پیش کر کے اختلاف کی آگ بھڑکا رہے ہیں، امام اوزاعیؒ کا یہ قول ان سے فکر و نظر کا مطالبہ کر
ع ان کان فی القلب ایمان واسلام۔

پس صحیح طریقۂ عمل یہی ہے کہ علم واعتقاد کی حد تک تو غیر بنیادی اختلافات کے متعلق ع
یہی خیال رکھنا چاہئے کہ ان کے ماننے والوں اور ان پر عمل کرنے والوں میں کوئی غلطی پر نہیں ہے

لیکن عملاً مسلمانوں کو چاہیے کہ جس مسلک کا اس ملک میں رواج ہو، جن لوگوں کی ان مسائل کے متعلق اکثریت ہو اسی کی اتباع کریں تاکہ حدیث اپنے پیغمبر کے فرمان۔

اتبعوا السواد الاعظم	بڑی اکثریت کی پیروی کرو، جس نے عام مسلمانوں
من شذ شذ فی النار۔	سے الگ ہو کر راہ بنائی وہ جہنم میں گرا۔

کی تعمیل سے بھی سرفراز ہوں اور جس 'شذوذ' کی اس میں دھمکی دی گئی ہے اس سے بھی مامون ہو جائیں لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے، جیسا کہ بعضوں کے اصرار سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورۃً بھی آدمی اپنے ملک کے عام مسلک سے کسی وقت کسی زمانہ میں تجاوز نہیں کر سکتا، کم از کم احناف کا مسلک تو کتابوں میں جو نقل کیا جاتا ہے سو یہ ہے۔

لو افتی بقول مالك فی موضع الضرورۃ	اگر ضرورت کے وقت امام مالک کے قول کے
ینبغی ان لا بأس به	مطابق (کوئی حنفی عالم) فتوی دے تو اس
(فتح المعین شامی وغیرہ) کتاب المفقود	میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ 'مالک' کے لفظ کا یہاں بطور مثال کے ذکر کیا گیا ہے ورنہ مقصد وہی ہے کہ جن چار مجتہدوں کی فقہ دنیا میں باقی رہ گئی ہے، یعنی شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جس کی صفت یہ بیان کی ہے۔

ان یکون اقوالهم التی یعتمد	یعنی ان ائمہ کے جن اقوال پر اعتماد کیا جاتا ہے
علیها مرویة بالاسناد الصحیح	وہ صحیح سندوں سے مروی ہوں اور عام مشہور متداول
ومدونة فی کتب مشهورة وان	کتابوں میں ان کے یہ اقوال مدون ہوں نیز ان کی
یکون مخدومة بان یبین الراجح	خدمت بھی کی گئی ہو، یعنی مختلف پہلوؤں میں جو
من محتملاتها وتخصص عمومها	راجح ترین پہلو ہو اس کو ترجیح دی گئی ہو، نیز بعض
فی بعض المواضع ویقید	مقامات میں عام الفاظ کے ساتھ جہاں ضرورت ہو
مطلقها فی بعض المواضع	خصوصیت کا اضافہ کیا گیا ہو، اور بعض کو مقید کیا

لہ یعنی مسلمانوں کی عام جماعت کے دائرہ سے نکلنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ ایسا آدمی جہنم میں جا پڑیگا

والجمع المختلف فیہا	گیا ہو، مختلف اقوال میں تطبیق دی گئی ہو، جو احکام ان سے
ویبین علل احکامہا	ثابت ہوں ان کے اسباب و علل بیان کیے گئے ہوں۔

شاہ صاحبؒ نے ان صفات کو بیان کرکے لکھا ہے۔

ولیس مذہب فی الازمنۃ	اور پچھلے زمانہ میں مذکورہ بالا صفات کے ساتھ
المتاخرۃ بہذہ الصفۃ الا ہذہ	کوئی مذہب بجز ائمہ اربعہ کے مذہب کے نہیں
المذاہب الاربعۃ (عقد الجید ص ۳۲)	پایا جاتا۔

گفتگو اگرچہ تدوینِ فقہ میں ہو رہی تھی، لیکن اسلامی فقہ کو ان ہی اختلافات کے قصوں کو سنا سنا کر آج جناب وزن کر دیا گیا ہے، ان ہی قصوں نے مجبور کیا کہ اختلاف کا جو واقعی قصہ ہے کچھ کہنے سے پہلے اس قصہ ہی کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جائے۔ بیان تو ابھی اس سلسلہ میں بہت کچھ کیا جا سکتا ہے لیکن اپنی اس کتاب میں بطور تمہید کے جس قدر کہنا مقصود تھا وہ بحمد اللہ کہا جا چکا اب اپنے اصل مضمون کی طرف متوجہ ہونے کا وقت آگیا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔ انشاء اللہ "مجلہ تحقیقاتِ علمیہ" کی آئندہ اشاعت میں آئندہ ابواب بتدریج شائع ہوتے رہیں گے۔

یکم ربیع الثانی سنہ ۱۳۶۲ھ م ۴ خورداد سنہ ۱۳۵۲ ف م ۷ اپریل سنہ ۱۹۴۳ء چہار شنبہ

جوار الجامعۃ العثمانیہ

۳ بجے شب

حیدرآباد دکن

صلۂ عام :- ہر مسلمان کو اس کی اجازت ہے کہ جی چاہے تو حسبۃ للہ اس مضمون کو چھاپ کر بھی تقسیم کر سکتے ہیں اور جس زبان میں چاہیں ترجمہ کرکے بانٹ سکتے ہیں۔

مناظر احسن گیلانی